پروفیسر ظہور احمد اظہر

ابوالقاسم الشابی

نخلستانِ توزر

تونس کا قومی شاعر ابوالقاسم الشابی ۲۴ رفروری ۱۹۰۹ء کو جنوبی تونس کے نخلستان میں ایک گاؤں "الشابہ" کے مقام پر پیدا ہوا۔ جنوبی تونس کے دو عظیم ریگستانوں کے درمیان چار اہم نخلستان ہیں جن میں سے ایک کا نام "نخلستانِ توزر" ہے۔ اس نخلستانی خطے میں کھجور کے درخت بڑی کثرت سے ہوتے ہیں۔ یہ خطہ قدیم تاریخ کے لحاظ سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ قدیم زمانے میں رومی سلطنت کی نوآبادی بھی رہ چکا ہے آج کل اس خطے کی آبادی پچاس ہزار نفوس سے متجاوز ہے جو عرب مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

آبادی کی معاش کا دارومدار ان ہی باغات اور زراعت پر ہے۔ یہاں کے کسان "مخموس" کہلاتے ہیں۔ کیونکہ پیداوار کا پانچواں حصّہ (خمس) انھیں میسر آتا ہے۔ سرسبز علاقوں میں ریوڑ اور مویشی بھی چرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور چرواہے ریت کے ٹیلوں پر یا کبھی کھجور کے درختوں کے نیچے گیت گاتے اور بانسری بجاتے ہیں۔ اس لیے یہ لازمی بات تھی کہ اس نخلستانی خطے میں پیدا ہونے والا ابوالقاسم کبھی کسان کی زبان میں بات کرے کبھی نخلستان کے اونچے درختوں اور خوبصورت مہکتے ہوئے پھولوں کا نقشہ کھینچے۔ اور کبھی یہاں کے چرواہوں اور گڈریوں کے جذبات کی ترجمانی کرے۔

خاندان

ابوالقاسم کا اپنا گھرانہ ایک معزز اور علمی گھرانہ تھا۔ اس کے ایک بھائی محمد الامین الشابی تونس میں دستور پارٹی کی اولین وزارت میں وزیر تعلیم کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔ اس کے والد ایک عالم باعمل اور بڑے متدین مسلمان تھے اور اسی علم و تدین کی بنیاد پر شرعی عدالت کے جج کے عہدے پر فائز ہوئے اور منصب قضا کے ساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے اور تونس کے مختلف شہروں میں تبدیل ہوتے رہے۔ ابوالقاسم بھی اپنے والد کے ہمراہ ایک جگہ سے

دوسری جگہ منتقل ہوتا رہا۔

تعلیم

ابوالقاسم الشابی جب لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو دیندار باپ نے اسے ایک دینی مکتب میں داخل کرا دیا۔ تاکہ قرآن کریم اور عربی علوم کے ساتھ ساتھ کتابت وانشا بھی سیکھ سکے۔ اس کے والد خود چونکہ اسلامی اور عربی علوم کے ممتاز عالم تھے اس لیے گھر پر بھی وہ اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت کرتے رہے۔

وہ جب گیارہ سال کا ہوا تو باپ نے اسے تونس کی قدیم ترین یونیورسٹی "جامعہ زیتونیہ" میں بھیج دیا۔ اس کے والد خود بھی اسی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے اس لیے انھوں نے اپنے اساتذہ اور ہم جماعتوں کو جو اس وقت درس و تدریس میں مشغول تھے، اپنے ہونہار بچے کی تعلیم اور تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی درخواست کی۔ ابوالقاسم نے مسلسل سات برس تک اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہنے کے بعد ۱۸ سال کی عمر میں دینی اور عربی علوم کی تکمیل کر لی اور اختتام پر "اجازتِ نہائیہ" حاصل کی اور یوں نوجوان شابی میں ادیبانہ و شاعرانہ کمالات کے ساتھ علم و فضیلت بھی جمع ہو گئے۔

ابوالقاسم جب جامعہ زیتونیہ سے سندِ فراغت حاصل کر چکے تو والد نے انھیں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ بھی باپ کی طرح عدلیہ کے کسی باعزت منصب پر فائز ہو سکیں مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ نوجوان ابوالقاسم کو عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کی بجائے شعر و شاعری میں کمال پیدا کرنا تھا اس لیے وہ ادب کے مطالعہ اور شعر گوئی پر زیادہ توجہ دیتا رہا اور تونس کے ادبا و شعرا سے بھی ملتا رہا چنانچہ وہ وہاں کے "ادبی کلب" کا باقاعدہ رکن بن گیا۔ اس ادبی مجلس میں بڑی بڑی سیاسی و ادبی شخصیتیں بھی جمع ہوتی تھیں جن میں تونس کے موجودہ صدر حبیب بورقیبہ بھی شامل تھے۔

آلامِ حیات

اسی اثنا میں ابوالقاسم کو زندگی کے ایک خطرناک موڑ اور نازک ترین تجربے سے گذرنا پڑا۔ وہ تجربہ جو شاعر بنا دیتا ہے بلکہ جس کے بغیر شاذ و نادر ہی شعر و شاعری کی دیوی اپنا فیضان کرتی ہے اور وہ ہے مرحلۂ عشق! اور سب سے بڑی بدقسمتی یہ کہ شاعر کی محبوبہ اس غنچہ کی مانند تھی جو بن کھلے ہی مرجھا گیا ہو اور اس سے بھی زیادہ دردناک یہ بات ہے کہ وہ اپنے عاشق زار پر دل و جان سے فدا بھی تھی

پھر کیا تھا! شاعر کے جذبات پر حسرت و یاس کے مہیب سائے مسلط ہو گئے اور وہ درد و عذاب سے چیخنے لگا اور اپنی ان درد بھری اور حسرت ناک چیخوں کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیا۔

جوان محبوبہ کی دردناک موت نے شاعر کو ہلا کر رکھ دیا۔ والدین کو اپنے لخت جگر کی فکر لاحق ہو گئی اور اسے شادی کے بندھن میں جکڑ دیا کہ شاید وہ محبوبہ کے داغ مفارقت کو بھول جائے۔ ابوالقاسم الشابی نے بھی والدین کی اطاعت کرتے ہوئے اسے قبول کر لیا مگر

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ابوالقاسم نہ تو اپنی محبوبہ کو بھول سکا اور نہ رنج والم اور درد و عذاب سے نجات پا سکا۔ اس دور میں تونس کے مسلمان جس ابتلا اور رنج و محن کے خوف ناک مرحلے سے گزر رہے تھے اس کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس لیے غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم جہاں بھی شاعر کا مقدر ہو گیا اور اسے ظلم و استبداد کا شکار اور غربت و افلاس کی ذلت آمیز زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کی ترجمانی بھی کرنا پڑی۔ پھر اچانک اس کے والد بھی رخت سفر باندھ لیتے ہیں اور اسے والد کی موت کا صدمہ اٹھانے کے ساتھ گھر کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ صدمات اور درد و غم کا یہ ایک طوفان تھا جس نے شاعر کو ہلا کر رکھ دیا اور اس کی قوتوں کو مضمحل کر دیا۔

وفات

ان مسلسل صدمات اور آلام حیات نے شاعر کو ایک مہلک مرض میں مبتلا کر دیا جسے طب کی اصطلاح میں "انتفاخ قلب" کہا جاتا ہے۔ وہ ڈاکٹروں کے مشوروں کے مطابق کئی ایک صحت افزا مقامات میں قیام کرتا رہا اور بالآخر ہسپتال میں داخل ہو گیا جہاں سے ۱۹۳۴ء میں اس کا جنازہ ہی باہر نکلا جب کہ ابھی وہ اپنی زندگی کی ۲۵ بہاریں بھی پوری نہ کر پایا تھا۔

شاعر کو اپنے آبائی وطن نخلستانِ توزر میں دفن کیا گیا اور ۱۹۴۶ء تک وہ گوشۂ قبر میں گمنام پڑا رہا اور کبھی کبھار اخبارات یا رسائل میں اس کا تذکرہ ہو جاتا مگر جونہی دوسری عالمی جنگ ختم ہوئی تونس کے وطن پرستوں نے ایک کمیٹی قائم کی جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ قومی شاعر کو کسی شایانِ شان مقام پر دفن کرنے کے لیے جگہ کا انتخاب کیا جائے اور اس کا شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے چنانچہ

۱۳ رمئی ۱۹۴۶ء کو ابوالقاسم الشابی کا صندوقِ نعش نکال کر نئی قبر میں پورے قومی اعزاز اور احترام کے ساتھ دفن کیا گیا اور ایک تعزیتی جلسہ بھی منعقد ہوا جس میں مختلف ممالکِ عرب کے ستر مقرر اور شعراء اسے خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے اور اس کے فضائل بیان کیے گئے اور مرثیے کہے اور ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرنے کا کام بھی شروع ہو گیا۔

اوصاف

ابوالقاسم الشابی ایک پاکیزہ سیرت انسان تھا۔ وہ ایک محبِّ وطن حریت پرست، جری و بہادر اور دیندار مسلمان تھا۔ والد نے جس شفقت اور محبت کے ساتھ اس کی دینی اور اخلاقی تربیت کی تھی اس کا اثر عمر بھر قائم رہا اور اسے اپنے باپ سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی چنانچہ اس نے اپنی ایک نثری تصنیف کو ان الفاظ میں ان سے معنون کیا۔ "حضرت والد محترم شیخ سیدی محمد بن بلقاسم الشابی کی خدمت میں جنھوں نے بچپن میں میری پرورش کی، اور بڑے ہو کر مجھے تعلیم دی اور مجھے یہ سمجھا دیا کہ اس کائنات میں سب سے افضل اور سب سے مقدس حق و صداقت ہے میں یہ صفحات ان کی نذر کرتا ہوں جو میرا اولین علمی کارنامہ ہے جسے میں لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں نے اس نے حق و صداقت کی صراحت اور حسنِ حقیقت کا حق ادا کر دیا ہے۔"

ابوالقاسم الشابی بہت بڑا ذہین انسان تھا اس کے سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ صرف نو سال کی عمر میں وہ پورا قرآن کریم حفظ کر چکا تھا اور عربی زبان کے اشعار اور امثال و محاورات اس کے علاوہ تھے۔

شاعری

ابوالقاسم الشابی کی شاعری جذبات کا بحرِ مواج ہے جس میں معانی اور افکار کے جوش اور ولولے کے ساتھ الفاظ کی موسیقیت اور ابلتے ہوئے چشمے کی سی فصاحت و بلاغت بھی موجود ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے جذبات کی بپھری ہوئی موجیں ہر چیز کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جانا چاہتی ہیں، مگر زندگی کے ٹھوس حقائق کی چٹانوں کے ساتھ ٹکرا کر رہ جاتی ہیں۔ جذبات کی ان موجوں میں دکھ درد اور رنج و الم سے لبریز موج سب سے زیادہ تیز اور سب پر غالب نظر آتی

ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ شاعر کے منہ سے درد والم کا ایک لپکتا ہوا شعلہ نکل رہا ہے جسے بھڑکانے اور ایندھن مہیا کرنے کے لیے بہت عناصر کام کر رہے ہیں جن میں ظلم و استبداد، جور و جفا، جہالت و پسماندگی، مکر و فریب اور سب سے بڑھ کر سوزِ عشق کو ممتاز حیثیت حاصل ہے، عشق کی آتشِ سوزاں نے تو شاعر کی تمام مسرتوں کو جلا کر خاکستر بنا دیا ہے وہ کہتا ہے:

فَمَضَى الرَّدَى بِسَعَادَتِي ۔۔۔ وَقَضَى عَلَيَّ الحُبُّ الوَلِيدُ

(ترجمہ) عشق کی مہلک آگ نے میری خوشیوں کا خاتمہ کر دیا اور نوخیز و ناپختہ محبت نے مجھے مٹا کر رکھ دیا ہے۔

ایک اور مقام پر کہتا ہے:

أَيُّهَا الحُبُّ أَنْتَ سِرُّ بَلَائِي ۔۔۔ وَهُمُومِي وَرَوْعَتِي وَعَنَائِي

(ترجمہ) اے عشق! تو ہی تو میرے ابتلا، میرے غموں، میرے خوف اور میری مشقت کا سرچشمہ اور راز ہے!

شاعری کا پس منظر

ابوالقاسم کی اس شاعری کے پس منظر میں بہت سے عناصر کار فرما ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں:

(۱) طبع حساس۔ اس میں شک نہیں کہ شاعری کا سرچشمہ جذبات و عواطف اور طاقتور قوتِ احساس ہے مگر ہر چیز جب حد سے بڑھ جائے تو وہ تباہی اور زحمت ثابت ہوتی ہے۔ ابوالقاسم کی طبیعت کچھ ضرورت سے زیادہ ہی حساس واقع ہوئی تھی۔ وہ اتنا ذہین اور قوی حافظہ والا انسان تھا کہ نو سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرنے کے علاوہ عربی اشعار کی ایک بہت بڑی تعداد بھی اس نے یاد کر لی تھی۔ پھر یہ ذہانت و قوتِ حافظہ صدمات کو تھوڑی دیر کے لیے بھی فراموش کرنے کو تیار نہ ہوتی اور یاد ماضی اس کے لیے مسلسل عذاب بنی رہی۔

(۲) ناکام یا ناتمام محبت۔ بدقسمتی سے ہمارے اس حد درجہ ذہین اور حساس شاعر کی محبوبہ بھی اس قدر مختصر زندگی لے کر آئی کہ غنچۂ نادمیدہ کی طرح آغاز میں ہی عاشق زار کو داغِ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے اسے ناکام و نامراد بنا دیا اور اس کی رہی سہی کسر والد کی موت نے پوری کر دی۔

(۳) عہدِ پرفتن۔ ابوالقاسم کی شاعری کا عہدِ شباب دراصل تونس کی قومی زندگی کا عہدِ پرفتن ہے۔ ۱۸۸۱ء میں فرانسیسی افواج الجزائر کے بعض باغی اور مفرور قبائل کا پیچھا کرنے کے بہانے تونس کے دارالحکومت

تک جا پہنچتی ہیں اور مکر و فریب، اور ظلم و تشدد کا بازار گرم کر دیتی ہیں تونس کے بہادر عوام کئی ایک خونی معرکوں کے بعد سپر انداز ہونے پر مجبور کر دیے جاتے ہیں مگر تحریکِ آزادی مسلسل جاری رہتی ہے۔

۱۹۲۲ء میں بطلِ مغرب امیر محمد بن عبدالکریم کی قیادت میں ہسپانوی مراکش کے لوگ مغربی استعمار کا تختہ الٹ دیتے ہیں جس سے تونس کے عوام کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں اور تحریکِ آزادی زور پکڑ جاتی ہے لیکن بدقسمتی سے اسپین اور فرانس امیر خطابی کی تحریک کو کچل دینے کی متفقہ کوششوں کا معاہدہ کرتے ہیں۔ اس تحریک کے دب جانے کے بعد تونس کے عوام پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور ۱۹۲۵ء میں تمام زعما جیلوں میں ٹھونس دیے جاتے ہیں، حریت پسندوں کو جلاوطن کیا جاتا ہے اور قتل و غارت گری کا ایک بازار گرم ہو جاتا ہے جو مسلسل پانچ سال تک جاری رہتا ہے۔

ابوالقاسم یہ سب ہولناک اور دلخراش واقعات و مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اپنے اشعار میں انھیں سمو دیتا ہے اور بڑے دردمندانہ لہجے میں قوم کی ترجمانی کرتا ہے۔

(۴) مغربی افریقہ کا فرانس سے گہرا تعلق رہا ہے۔ سیاسی، ادبی اور ثقافتی میدانوں میں فرانس کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ابوالقاسم الشابی کی شاعری بھی فرانسیسی ادب کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور اسے فرانس کے رومانوی شعرا کے خیالات بہت پسند آتے ہیں اور وہ رومانویت کو ایک مسلک شعری کی حیثیت سے قبول کر لیتا ہے۔

اس پس منظر سے آگاہی کے بعد ابوالقاسم کی شاعری کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں اور اس کے ہاں احساسِ غم کی جو شدت اور جذبات کا جو جوش نظر آتا ہے وہ فطری بات ہے وہ احساسِ غم اور جذبات جو شاعر کو عنفوانِ شباب میں ہی موت کے آغوش میں سُلا دیتے ہیں۔

انگریز شاعر کیٹس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ابھی ۲۶ سال کا بھی نہ ہو پایا تھا کہ عنفوانِ شباب میں ہی لقمۂ اجل بن گیا لیکن ابوالقاسم الشابی ابھی اپنی عمر کی ۲۵ بہاریں بھی پوری نہ کر پایا تھا کہ ظالم موت نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ وہ غالباً کم عمری میں فوت ہونے والے دنیا کے عبقری اور عظیم شعرا میں سب سے زیادہ کم عمر تھا۔

عربی ادب میں اس سے پہلے بھی دو کم عمر شاعر نظر آتے ہیں جن میں سے ایک تو دورِ جاہلیت کا شاعر طرفہ تھا جسے تقریباً تیس سال کی عمر میں زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اور دوسرا شاعر ابو فراس

ہمدانی ہے جو مشہور ادب پرور بادشاہ سیف الدولہ کا چھوٹا بھائی ہے۔

پروفیسر عبداللطیف شرارہ کے خیال کے مطابق یہ کم عمر میں فوت ہونے والے چاروں شعرا کیٹس، طرفہ، ابو فراس اور ابوالقاسم ایک ہی مکتب فکر یعنی رومانویت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور چاروں شعرا کے ہاں حسن پرستی، گرمیٔ عشق اور درد و الم کا شدید احساس موجود ہے اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ جوانی دیوانی حسن پرستی، گرمیٔ عشق اور درد و ابتلا کا باعث بنتی ہے۔

نقادوں کی رائے

ابوالقاسم کی شاعری کے نقادوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی آرا مختلف اور متضاد ہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ نیک فالی اور رجائیت کا علمبردار تھا مگر بعض اسے قنوطیت اور بدفالی کا شاعر قرار دیتے ہیں۔ اس طرح شاعر کو بھی موضوع بحث بنا یا گیا ہے۔ چنانچہ بعض کی رائے میں اس کی محبت خیالی ہے اور بعض کے نزدیک حقیقت واقعی ہے اور کچھ لوگ اسے منتقم مزاج اور بیزار شاعر سمجھتے ہیں۔ بہر حال ایک بات پر تمام نقاد متفق ہیں کہ ابوالقاسم ایک عظیم عبقری اور جلیل القدر شاعر تھا۔ چنانچہ تونس کا ایک فاضل نقاد لکھتا ہے:

"شابی اور اس کی شاعری ہماری تاریخ سے بہت گہرا ربط رکھتے ہیں اور ہمارے غیر فانی شاندار کارناموں کی ایک شاندار کڑی ہیں بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تونس کی جدید قومی تاریخ کا نقطۂ آغاز ہی ابوالقاسم الشابی ہے"۔

ازہر یونیورسٹی مصر کے فاضل استاذ عبدالمنعم خفاجی کا کہنا ہے کہ الشابی کا کلام ہماری جدید ادبی میراث میں ایک ممتاز ذخیرے کی حیثیت رکھتا ہے جو نہ صرف تونس بلکہ تمام دنیائے عرب کی بیداری کے لیے ایک غیر معمولی قوت محرکہ ہے۔

ابوالقاسم الشابی نے کئی ایک مقالات کے علاوہ ایک دیوان "اغانی الحیاۃ" (نغماتِ زندگی) "الخیال الشعری عند العرب" (عربوں کے ہاں شاعری کا تخیل) اور افسانوں کا ایک مجموعہ اپنی زندہ جاوید یادگاریں چھوڑی ہیں جو منظر عام پہ آچکی ہیں۔

نمونہ کلام

محبت کیا ہے؟

يَا سُلَافَ الفُؤَادِ! يَا سُمَّ نَفْسِي فِي حَيَاتِي! يَا شِدَّتِي! يَا رَخَائِي!

لَیْتَ شِعْرِیْ اِیَا اَیُّھَا الحُبُّ قُلْ لِیْ   مِنْ ظَلَامٍ خُلِقْتَ اَمْ مِنْ ضِیَاءٍ ؟

اے محبت جو علاج دردِ دل ہے اور میری جان کے لیے زہر ہے! اور میری زندگی میں سختی اور فراخی دونوں کا سبب تو ہی ہے۔

۲۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اے محبت تیری تخلیق ظلمت سے ہوئی ہے یا روشنی سے ؟

قوم کے عزم کی قوت

اِذَا الشَّعْبُ یَوْمًا اَرَادَ الْحَیَاۃَ   فَلَا بُدَّ اَنْ یَسْتَجِیْبَ الْقَدَرْ

وَلَا بُدَّ لِلَّیْلِ اَنْ یَنْجَلِیْ   وَلَا بُدَّ لِلْقَیْدِ اَنْ یَنْکَسِرْ

اِذَا طَمَحَتْ لِلْحَیَاۃِ النُّفُوْسُ   فَلَا بُدَّ اَنْ یَسْتَجِیْبَ الْقَدَرْ

۱۔ جب کوئی قوم زندہ رہنے کا ارادہ کر لے تو قدرت کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑے گا۔

۲۔ رات کی تاریکی ضرور چھٹ جائے گی اور بیڑیاں ٹوٹ کر رہیں گی۔

۳۔ جب تک دلوں میں زندہ رہنے کی تمنا باقی رہے گی تقدیر کو بھی ان کی تائید کرتے ہی بنے گی

دل کی کائنات

یَا قَلْبُ ! اِنَّکَ کَوْنٌ مُدْھِشٌ عَجَبٌ   اِنْ یُسْأَلِ النَّاسُ عَنْ اٰفَاقِہٖ یَجِمُوْا

کَاَنَّکَ الْاَبَدُ الْمَجْھُوْلُ قَدْ عَجَزَتْ   عَنْکَ النُّھٰی وَاکْفَھَرَّتْ حَوْلَکَ الظُّلَمُ

۱۔ اے دل! تو ایک عجیب و محیر العقول کائنات ہے لوگوں سے اگر اس کائنات کے آفاق کے بارے میں پوچھا جائے تو گنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

۲۔ جیسے تو ایک نامعلوم ابدیت ہے جس کے ادراک سے عقول عاجز ہیں اور جس کے گرد تاریک پردے پڑے ہوئے ہیں۔

فریب

مُلِئَ الدَّھْرُ بِالْخِدَاعِ فَکَمْ قَدْ   ضَلَّلَ النَّاسَ مِنْ اِمَامٍ وَقِسٍّ

زمانہ مکر و فریب سے پُر ہے، کتنے امام اور پادری ہیں جو اپنے فریب سے انسانوں کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔

قوت ہی حق ہے

لَا اَیْنَ؟ فَالشَّرْعُ الْمُقَدَّسُ ھٰھُنَا   رَأْیُ الْقَوِیِّ وَفِکْرَۃُ الْغَلَّابِ

وَسَعَادَۃُ الضُّعَفَاءِ جُرْمٌ مَالَہٗ عِنْدَ القَوِیِّ سِوَیٰ اَشَدَّ عِقَابِ

۱۔ مگر انصاف کہاں ہے؟ یہاں کا مقدس قانون تو طاقتور کی رائے کو ہی غالب کرتا ہے۔

۲۔ کمزوروں کی خوشیاں ایک ایسا جرم ہیں جن کی سزا طاقتوروں کے ہاں سخت ترین عذاب ہے

ابوالقاسم کے ہاں یہ فلسفہ عام ہے اور ظاہر ہے اس میں جرمن شاعر نیطشے کا اثر نمایاں ہے۔ ابوالقاسم کے نقاد یہ رائے رکھتے ہیں کہ فرانسیسی شعرا کی طرح وہ اس جرمن شاعر کے فلسفے سے متاثر تھا۔ مگر صد افسوس کہ شاعر اسلام اور حکیم مشرق کا پیغام ابوالقاسم تک نہ پہنچ سکا ورنہ اس مجذوبِ فرنگ کی بجائے حکیم الامت کے افکار اسے زندگی اور تازگی عطا کرتے!

پیغمبرِ انسانیت

ازمولانا محمد جعفر پھلواروی

سیرتِ رسولؐ پر یہ کتاب ایک بالکل نئے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی کے نازک سے نازک مراحل پر آنحضورؐ نے انسانیت اور اعلیٰ قدروں کی کس قدر محافظت کی ہے۔

قیمت : ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ ——— لاہور